قدیم اور جدید معاشی نظریات کا تعارف

(تیسری اور آخری قسط)

مفتی عارف محمود

اشتراکیت (Socialism)

سوشلزم جسے اردو میں ''اشتراکیت'' اور عربی میں ''الاشتراکیة'' کہتے ہیں، درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کے ردعمل کے طور پر وجود میں آیا، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس نے سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی فلسفے کو چیلنج کرتے ہوئے یہ ماننے سے انکار کیا کہ معیشت کے بنیادی مسائل محض ذاتی منافع کے محرک، شخصی ملکیت اور رسد وطلب کی قوتوں کی بنیاد پر حل کیے جاسکتے ہیں۔

اشتراکیت ان تمام خرابیوں کے سدباب کا دعویٰ لے کر میدان میں آئی، جو سرمایہ دارانہ نظام کے مرہونِ منت تھے۔ اشتراکیت نے سرمایہ داریت کے بنیادی فلسفے انفرادیت کو رد کرتے ہوئے اجتماعیت اور جماعت کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ جماعت ہی سب کچھ ہے، فرد کچھ نہیں، لہٰذا وسائل پیداوار کو فرد کی ملکیت قرار دینا درست نہیں، بلکہ حکومت ہی تمام وسائل پیداوار کی مالک ہے۔ اس کو یہ علم ہوگا کہ کل وسائل کتنے ہیں؟ معاشرے کی ضروریات کیا کیا ہیں؟ لہٰذا وہی تمام زرعی، صنعتی اور تجارتی پالیسیاں بنانے اور نافذ کرنے کی مجاز ہے، وہی افراد کے پیشے معین کرنے کا حق رکھتی ہے، گویا وسائل کی تخصیص، ترجیحات کا تعین اور ترقی کے تینوں کام حکومت کی منصوبہ بندی کے تحت انجام پائیں گے۔ جہاں تک آمدنی کی تقسیم کا معاملہ ہے، تو اشتراکیت کا کہنا ہے کہ حقیقت میں عامل پیداوار صرف زمین اور محنت ہیں۔ زمین انفرادی ملکیت نہیں، بلکہ حکومت کی ملکیت ہے، تو اس کا لگان دینے کی ضرورت نہیں۔ رہی محنت تو اس کی اجرت کا تعین بھی حکومت اپنی منصوبہ بندی کے تحت کرے گی۔ گویا ان کے نزدیک بھی معاشی مسائل کا ایک ہی حل ہے اور وہ حکومتی منصوبہ بندی ہے، اسی وجہ سے اُسے منصوبہ بند معیشت (Planned Economy) بھی کہا جاتا ہے۔

اشتراکیت سے بحث کرنے والے حضرات نے اس کی تین بڑی قسمیں بیان کی ہیں:

ا:......قدیم اشتراکی نظریات

۲:......ارتقائی، یا معاشی اشتراکیت

۳:...... مارکس کی انقلابی اشتراکیت (یورپ کے تین معاشی نظام، ص:۴۸، ادارۃ المعارف کراچی)

ہم یہاں ان کی تفصیلات سے تعرض نہیں کریں گے، البتہ اشتراکیت کے بنیادی اصولوں پر ایک نگاہ ضرور ڈالیں گے، تاکہ اس کی پوری حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اشتراکیت کے چار بنیادی اصول

۱:......اجتماعی ملکیت (Collective Property)

اس اصل کا حاصل یہ ہے کہ وسائل پیداوار قومی ملکیت میں ہوں گے اور حکومت کی منصوبہ بندی کے تحت استعمال ہوں گے۔ ذاتی استعمال کے علاوہ وسائل پیداوار پر کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہوگی، حکومت وقت ہی قومی نمائندہ کی حیثیت سے ان کی مالک ہوگی۔

۲:......منصوبہ بندی (Planning)

اس نقطہ نظر کا خاصہ یہ ہے کہ تمام معاشی مسائل کا حل اور فیصلے حکومتی منصوبہ بندی کے تحت کیے جائیں گے۔ حکومت ہی یہ فیصلہ کرے گی کہ کون سے وسائل کہاں اور کتنی مقدار میں لگائے جائیں؟ اور محنت کرنے والوں کی کیا اجرت مقرر کی جائے؟ غرض اس میں ہر معاشی فیصلہ سرکاری منصوبہ بندی کے تابع ہوتا ہے۔

۳:......اجتماعی مفاد (Collective interest)

اس نظام میں حکومتی منصوبہ بندی کے تحت اجتماعی مفاد کو مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

۴:......آمدنی کی منصفانہ تقسیم (Equitable Distributian of Income)

امیر اور غریب کے درمیان موجود فاصلوں کو کم کرنے کے لیے یہ اصول پیش کیا کہ جو کچھ بھی آمدنی حاصل ہو وہ افراد کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم ہو، عملاً ایسا ہوا یا نہیں؟، یہ ایک الگ بحث ہے، البتہ اشتراکیت میں کم از کم یہ دعویٰ ضرور کیا گیا کہ اس نظام میں تنخواہوں اور اجرتوں کے درمیان تفاوت بہت زیادہ نہیں ہے۔

معاشرے پر اشتراکیت کے اثرات

اشتراکیت صرف معاشی یا سیاسی نظام نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل فلسفہ، مرتب، مربوط اور تمام مذاہب سے مختلف ایک الگ نظریۂ حیات ہے، جو سیاست ومعیشت، اخلاق ومعاشرت، مابعد الطبعی

تخیلات وعقائد اور انسانی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کا مدعی ہے۔

کارل مارکس (Karl Marx) نے جو ایک ٹھیٹ یہودی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اور ساری عمر احساس محرومی کا شکار رہا، اپنے ساتھی فریڈرک اینجلز کے ساتھ مل کر اشتراکیت کے نام سے جو فلسفہ مرتب کیا، اس میں دو چیزیں نمایاں ہیں:

۱:......سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف نفرت وبغاوت۔

۲:......دین ومذہب کی حقارت، بیزاری اور عداوت۔

اس فلسفے کی رو سے ''اشتراکی حکومت'' ایک ایسی آمریت اور ڈکٹیٹر شپ ہے، جو نہ خدا کے سامنے جوابدہ سمجھی جائے، نہ عوام کے سامنے، جو کسی مذہب کی پابند ہو نہ اخلاق کی، آئین کی پابند ہو نہ قانون کی، اس مطلق العنان ڈکٹیٹر شپ نے فرد کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی مشین کے بے جان پرزے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پیشے اور اظہار رائے کی آزادی اور انفرادی ملکیت چھین کر اس کو اتنا گھونٹ دیا کہ اس کی فطری آزادی بھی سلب ہوکر رہ گئی۔

رسد وطلب کے قدرتی قوانین کا انکار کرکے اس کی جگہ حکومتی منصوبہ بندی کو ہر مرض کا علاج قرار دیا، حالانکہ انسانی زندگی اور معاشرے کو سینکڑوں ایسے مسائل درپیش رہتے ہیں، جس میں انسان کی وضع کی ہوئی منصوبہ بندی ناکام ہوجاتی ہے، اور اس منصوبہ بندی کے نتیجے میں فرد ومعاشرہ ایک غیر فطری اور مصنوعی نظام کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے اور وسائل چند برسر اقتدار افراد کے قبضے میں چلے جاتے ہیں۔ ذاتی منافع کے محرک کو ختم کردینے سے فکر وعمل دونوں میں سستی اور کاہلی کے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں، اور لوگ ظالم وجابر حکومتوں کے ایسے شکنجوں میں پھنستے ہیں، جہاں کسی کو پھڑ پھڑانے اور چیخنے چلانے کی آزادی بھی حاصل نہیں ہوتی۔

اشتراکیت نے دنیا کو کیا دیا؟

اشتراکیت نے دنیا کو کیا دیا؟ خود اس کے سب سے بڑے داعی اور مرکز روس جو سویت یونین کہلاتا تھا، اس کے خاتمے کے موقع پر اُس کے صدر یلسن نے کہا: ''کاش! اشتراکیت (UTOPAIN) نظریے کا تجربہ روس جیسے عظیم ملک میں کرنے کی بجائے افریقہ کے کسی چھوٹے رقبے میں کرلیا گیا ہوتا، تاکہ اس کی تباہ کاریوں کو جاننے کے لیے چوہتر (۷۴) سال نہ لگتے۔'' اسی طرح مشرقی جرمنی میں لوگوں نے دیوار برلن کو توڑ کر اشتراکیت کی ناکامی کا عملاً اعتراف کیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے اثرات

اشتراکیت کے زوال اور ناکامی کے بعد سرمایہ دار ممالک نے بڑی شد ومد سے یہ پروپیگنڈا

کیا کہ سوشلزم کی ناکامی ان کی کامیابی کی دلیل ہے، جب کہ حقیقت میں اشتراکیت کے زوال کا سبب سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقی غلطیوں کی اصلاح کی بجائے غلط لائحہ عمل کا اختیار کرنا تھا، جس پر ہم گزشتہ صفحات میں گفتگو کرچکے ہیں۔اب یہاں سرمایہ داریت کے بنیادی اصول ذاتی منافع کے محرک کو کھلی چھوٹ دینے اورخوداس نظام کے نتیجے میں جوخرابیاں سرمایہ دار معاشرے میں پیدا ہوئیں اور ملک وقوم پراس کے جومہلک اثرات پڑتے ہیں، ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱:...... مذہب کونظام سیاست ومعیشت سے الگ کرکے گرجاؤں، مسجدوں اور خانقاہوں تک محدودکردیا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کی ناجائز نفع اندوزی میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

۲:...... ذاتی منافع کے محرک کو بےلگام چھوڑنے کی وجہ سے یہ اکثر لوگوں کے سفلی جذبات کو ہوا دے کران کی غلط خواہشات کی تسکین کا سبب بنتا ہے۔ منافع کے حصول کے لیے حلال وحرام میں کوئی تفریق نہ ہونے کی وجہ سے لوگ نفع کمانے کے لیے ایسے ذرائع کواختیارکرتے ہیں، جن سے معاشرے میں اخلاقی بگاڑ پھیلتا ہے، چنانچہ مغربی ممالک میں عریانی اورفحاشی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے۔

۳:...... اس نظام میں تجارت وصنعت اور دولت کی گردش سود، قمار، اور آڑھت کی بنیادوں پر ہوتی ہے، حالانکہ ان کی وجہ سے معیشت کے فطری توازن میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ پورے ملک کے وسائل پیداواراوردولت کے تمام خزانے چندساہوکاروں اورسرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ کرجمع ہوجاتے ہیں، رسدوطلب کے فطری قوانین مفلوج ہوجاتے ہیں، شخصی اجارہ داریوں کی وجہ سے اشیاء کی قیمتوں کا نظام متوازن نہیں رہتا اورایک مصنوعی نظام وجود میں آجاتا ہے، جس کے بے رحم شکنجے میں پھنس کر پورا معاشرہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

۴:...... بڑے سرمایہ داراورتاجرعملاً پورے نظام تجارت پرقابض ہوجاتے ہیں اورچھوٹے چھوٹے تاجروں کواس قابل نہیں چھوڑتے کہ وہ اپنے کاروبارکوترقی دے سکیں، یاباقی رکھ سکیں۔ چھوٹے پیمانے پرکاروبارکرنے والے روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں، یابڑے سرمایہ داروں کی تجارتی پالیسیوں کے تابع محض ہوکرزندگی گزارنے پرمجبور ہوجاتے ہیں۔

۵:...... سرمایہ داروں اورنوکرشاہی کے گٹھ جوڑ سے سرمایہ دارانہ حکومتیں اپنے ہی اصول ''عدم مداخلت(Laissez Faint)'' سے انحراف کرکے مختلف قوانین اورناجائزٹیکسوں کے ذریعے کسی تجارت کی ہمت افزائی اورکسی کی حوصلہ شکنی کرتی رہتی ہیں، جس کا فائدہ صرف بااثر سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے۔

۶:...... اس نظام میں غریب غریب تر اورامیر اورسرمایہ دار کی دولت میں بڑھوتری اور روزانہ اضافہ ہونے کی وجہ سے وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ معیارزندگی کواتنا بلندکردیا جاتا ہے کہ متوسط اورسفید پوش طبقہ اس کا ساتھ نہیں دے پاتا، جس سے اَن گنت معاشرتی الجھنیں اوربے شمار معاشی ناہمواریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

۷:......سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیم دولت کا نظام ناہمواری کا شکار ہوجاتا ہے۔سود اور قمار پر مبنی اس نظام کی وجہ سے ملک کی کل آبادی دوطبقوں میں بٹ جاتی ہے۔دولت کے بہاؤ کا رخ امیروں اور سرمایہ داروں کی طرف رہتا ہے،غریبوں اور مزدوروں کی طرف نہیں ہوتا،اسی وجہ سے سرمایہ دار اور مزدور کی طبقاتی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔

۸:......ملوں اور فیکٹریوں کی اجارہ داری کی وجہ سے گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں سے تیار ہونے والا مال ان کی پیداوار اور سیلنگ ریشو(Saling Ratio) کا مقابلہ نہیں کر پاتا، دستکار اپنا پیشہ چھوڑ کر مزدوری اور ملازمت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں،جس کی وجہ سے گھریلو صنعتیں اور دستکاریاں زوال پذیر ہوجاتی ہیں۔

۹:......ملازمت اور مزدوری کے طلب گاروں میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔مشینوں کے روز افزوں استعمال کی وجہ سے انسانی کھپت میں کمی آجاتی ہے،جس سے پورے ملک میں بے روزگاری کا طوفان برپا ہوجاتا ہے،نتیجتاً مزدور کم سے کم اجرت پر مشکل اور ہر طرح کا محنت طلب کام بھی کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

۱۰:......سرمایہ دار طبقہ اپنے سرمایہ کے زور سے حکومتی پالیسی کو اپنی حکمت عملی کے تابع کرلیتا ہے۔مارکیٹ میں وہی اشیاء لائی جاتی ہیں جس سے سرمایہ دار کا زیادہ سے زیادہ نفع ہوتا ہے۔ملک وقوم کا کوئی فائدہ ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔یہ نظام پوری سوسائٹی اور اس کے تمدن کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے،صرف مال داری ہی عزت وشرافت کا معیار بن جاتا ہے۔علم،عقل اور اعلیٰ اخلاق کی بجائے انسان کی قدرومنزلت اس کے بینک بیلنس سے پہچانی جاتی ہے۔مادیت پرستی اور کمانے کا ایسا دھن لوگوں پر سوار ہوجاتا ہے کہ وہ خودغرضی،سنگدلی،عیاشی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ پن کا شکار ہوجاتے ہیں۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:''اسلام اور جدید معاشی مسائل اور یورپ کے تین معاشی نظام'')

خلاصہ یہ کہ یہ پورا نظام سرمایہ دار کے سرمایہ میں اضافے کا ایک آلہ ہے۔سود کے اس نظام میں پوری قوم کے سرمائے کو چند بڑے سرمایہ دار اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں،اور اس کے بدلے قوم کو بہت تھوڑا سا حصہ واپس کرتے ہیں،اور یہ تھوڑا سا حصہ بھی اشیاء کی لاگت میں شامل کرکے دوبارہ عام صارفین ہی سے وصول کرلیتے ہیں اور اپنے نقصان کی تلافی بھی عوام کی بچتوں سے کرتے ہیں،اور اس طرح سود کا مجموعی رخ اس طرف رہتا ہے کہ عوام کی بچتوں کا اصل کاروباری فائدہ بڑے سرمایہ داروں کو پہنچے اور عوام اس سے کم سے کم مستفید ہوں،اس طرح دولت کے بہاؤ کا رخ ہمیشہ اوپر کی طرف رہتا ہے۔ (معاشی نظام،ڈاکٹر محمد آدم ایڈووکیٹ،ص:۱۱۵،ادارہ فروغ ادب کراچی)

سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی حقیقت

قارئین کرام! یہ ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام جس میں ’’Accumulation of wealth‘‘ دولت کی اس ریل پیل سے معاشرے اور انسانی گروہوں کو کنڑول کیا جاتا ہے، جبکہ دولت کا بہاؤ ہر حال میں عوام الناس سے خاص الخواص (سرمایہ داروں) کی جانب ہی رہتا ہے۔ سب سے نچلی سطح پر عوام الناس اور ان کے متعلقین ہیں، خواہ ان کا تعلق زراعت، صنعت وحرفت، تجارت، ٹریڈنگ یا سروس وغیرہ کسی بھی شعبے سے ہو۔ یہ لوگ ایک ہی لگی بندھی آمدنی کا طبقہ کہلاتے ہیں، اور یہ دولت بصورت جنس یا خدمت کے پیداوار کرکے اپنے سے اوپر والی سطح پر پہنچاتے رہتے ہیں، اور ان کا اپنے معاوضوں پر قطعی کوئی اختیار نہیں ہوتا، بلکہ اوپر والے سرمایہ داران کے لیے جو بھی معاوضہ مقرر کریں، یہ اس پر اکتفاء کرنے پر مجبور ہیں۔

اب اوپر والی سطح کے لوگ مختلف ذرائع سے اپنی دولت بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، سطح درسطح یہ عمل انجام پاتے چلا جاتا ہے اور نتیجے میں چند مخصوص اشخاص کی عوام الناس پر کلی طور سے اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے۔ ان معاملات میں سب سے اہم رول کمپنیوں اور بینکوں کا ہوتا ہے، جن کی روح رواں وہ سودی نظامات ہیں، جن کے تحت یہ چلتے ہیں، خواہ ان کا نام کچھ بھی ہو۔ دوسری طرف ریاستی محصولات کی مد میں ٹیکسوں کا ایک ایسا نظام enforce کیا جاتا ہے، جن کا منتہائے مقصود بینکوں میں رائج سودی نظام کو تقویت دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

چور معاشرہ کی تشکیل

بہرحال خواہ وہ کمپنیاں ہوں، یا بینکاری اور حکومتی ٹیکس، سب کا مقصد ناجائز دولت سمیٹنا ہوتا ہے، اگرچہ ان کے طریقۂ واردات میں کچھ فرق ہو۔ سرمایہ دار عوام الناس سے دولت بٹورتا ہے، جبکہ دوسری طرف حکومت ان سے ناجائز حد تک ٹیکس وصول کرتی ہے۔ اب سب کے پاس اس نظام کے نتیجے میں ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے، اور وہ ہے چوری کا راستہ۔

ایک عام آدمی سے لے کر سرمایہ دار اور سربراہانِ مملکت تک سب کسی نہ کسی سطح اور صورت میں کمائی کے ناجائز اور چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔ ان ساری تفصیلات کے بعد ہم یہ فیصلہ قاری پر چھوڑتے ہیں کہ کیا ایسا نہیں کہ اس نظام کا حاصل ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں سودی نظام کے سایہ تلے چوری کا ایک خاص امتیازی مقام حاصل ہو؟!۔

اب ایسے نظام میں عدل وانصاف کو تلاش کرنا اور اس کے ذریعے انسانی معاشرے کی تعمیر وترقی کے بلند وبانگ دعوے کرنا نری حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟!۔

☆☆☆